⊙ ڈاکٹر طاہر عباس طیب

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی وومن یونیورسٹی، سیالکوٹ

⊙⊙ ڈاکٹر محمد افضال بٹ

انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، جی سی وومن یونیوسٹی، سیالکوٹ

پاکستانی اُردو افسانے کی تشکیل میں انتظار حسین کا کردار

Abstract:

Intezar Hussain is superior to some of his contemporary fiction writers. He describes most of the complex mental and emotional events. He is probably the first writer to write the story of moral and spiritual decline from different angles. He identifies the uniqueness and personality of Pakistani nation and Pakistani individual in his fiction. Revealing the truth is not the only thing in his myths. In them different layers of human existence are revealed and only in this way the consciousness of oneself is possible. Intezar Hussain uses cultural and religious myths and folk allusions along with narrative language in weaving the story. He fabricates the story by combining the issues of his era with historical and cultural myths. His unique style distinguishes him from other writers.

Keywords:

Contemporary، Fiction، Short Story,Uniqueness, Cultural, Religious

پاکستانی اردو افسانے میں انتظار حسین کا نام ایک معتبر حوالہ، جنھوں نے فن افسانہ نگاری میں اپنی ایک منفرد اور نمایاں شناخت قائم کی۔ یوں تو افسانے میں زندگی کے مختلف رویوں، گوشوں، پہلوؤں اور زاویوں کو اجاگر کیا گیا اور ان کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے لیکن انتظار حسین نے افسانہ نگاری میں فرد کی پہچان کے مسئلے کو اس کے احساس اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال کو پیش کرنے کی منفرد کوشش کی ہے۔ وہ تمام مسائل اور مشکلات کو ماضی کے دریچوں سے جھانکتے ہوئے حال تک رسائی پاتے ہیں۔ ان کے ہاں بنیادی تصور ماضی اور ان کی یادوں کا ہے جنھیں وہ اپنے گزرے کل میں دیکھ

کر اپنا آج آباد کرتے ہیں۔انتظار حسین لکھتے ہیں:

''میں کہانی کیا لکھتا ہوں کھوئے ہوؤں کی جستجو کرتا ہوں اور آتشِ رفتہ کا سراغ لیتا پھرتا ہوں۔''(۱)

گزرا ہوا سہانا وقت زندگی کا وہ سرمایہ ہے جسے یاد کر کے وہ دلی تسکین وسکون حاصل کرتے ہیں۔ان کے ہاں بنیادی تصور ماضی اور اس کی یادوں کا ہے۔ان کے ابتدائی افسانوں میں ہجرت اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال اور اس کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔انھوں نے ہجرت کرنے والے لوگوں کے عصری، سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں کو اپنے گہرے تجربے اور مشاہدے سے پیش کیا۔ان افسانوں میں اس دور کی ہنگامی کتلے، انسانی زندگی کی زبوں حالی، وحشت و بربریت اور ان سے متاثر ہونے والے افراد کی جذباتی اور ذہنی، معاشرتی و تہذیبی کیفیات کی عکاسی ہے جو اس دور میں رونما ہوئے۔محمد سلیم الرحمٰن کے نزدیک:

''ہمارے عہد کے سیاسی المیوں کی فکر، وقت کے لگائے گئے زخموں کا احساس اور ان کا منطقی نجام؛ عام پستی اور قدروں کا ابتذال؛ ہماری قوتوں کا فشار.....اس کے ذہنی آتش دان کو روشن رکھتا ہے۔''(۲)

انتظار حسین نے زندگی کی سنگین اور ٹھوس حقیقتوں کو بڑی خوبصورتی اور فنکارانہ چابکدستی سے اپنی کہانیوں میں برتا ہے اور ان کی نوعیت معاشرتی، تہذیبی، جذباتی اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی پیچیدگی کو بھی حل کرتی ہے۔وہ مختلف مسائل کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔انہوں نے معمولی باتوں اور واقعات کو غیر معمولی اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔ انتظار حسین کے نمایاں افسانوں میں ''اجودھیا''، ''ایک بن لکھی رزمیہ''، ''وہ جو کھوئے گئے''، ''دوسرا راستہ''، ''زرد کتا''، ''آخری آدمی''، ''پرچھائیں''، ''ہڈیوں کا ڈھانچ''، ''شہر افسوس''، ''کایا کلپ''، ''کنکری''، ''سوئیاں'' اور ''کچھوے'' وغیرہ شامل ہیں۔افسانہ لکھنے کے حوالے سے انتظار حسین کہتے ہیں:

''جب افسانہ لکھنے بیٹھتا ہوں تو اپنی ذات کے شہر سے ہجرت کرنے کی سوچتا ہوں افسانہ لکھنا میرے لیے اپنی ذات سے ہجرت کا عمل ہے۔مگر ہجرت ہمیشہ سے جان جوکھوں کا کھیل چلا آتا ہے۔''(۳)

افسانہ ''اجودھیا'' میں ایک اندوہناک صورت حال کو سامنے لایا گیا ہے۔انسان ظلم و بربریت کے ہولناک مناظر سے گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھا، لیکن منزل پر پہنچ کر بھی منزل نہ ملنا، یہ وہ دکھ ہے جو اس افسانے میں بیان کیا گیا ہے۔انسان ماضی سے غمناک، حال سے بے زار اور مستقبل سے مایوس نظر آتا ہے۔کہانی میں زندگی کی تنہائی، خوف اور نفسانفسی کا احساس مرکزی کردار کو داخلی کشمکش اور کرب میں مبتلا کر دیتا ہے۔افسانہ ''ایک بن لکھی رزمیہ'' کی کہانی ہجرت اور فسادات کے حالات کی عکاسی کرتی ہے۔اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو آزادی کے فوراً بعد جن مشکلات اور ناسازگار حالات سے گزرنا پڑا، یہ ان مصائب کی داستان ہے۔اس کا کردار پچھوا خارجی ماحول کے دباؤ اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور مایوس ہو کر لوٹ جاتا ہے۔

افسانہ ''وہ جو کھوئے گئے'' میں چار کرداروں کی کہانی ہے جو صدمے اور خوف سے اپنی شناخت بھول گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اپنی منزل کا علم نہیں۔کہانی میں کرداروں کی ذہنی کیفیات و حالات سے اپنی پہچان مٹ جاتی ہے اور تہذیبی و ثقافتی شناخت کی تلاش کے عمل سے گزرتے ہوئے انھیں اپنے وجود پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔

''پھر دفعتاً اٹھ کھڑا ہوا دوسرے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس طرف سے آواز آئی تھی۔ پھر اسی طرف سب چل کھڑے ہوئے۔''(۴)

اسے اپنی جائے سکونت سے نکل جانے کی خلش اور اس سے پیدا ہونے والے خلا کا احساس رہتا ہے۔ کہانی میں ایک بازگشت اور بے یقینی کی کیفیت کا احساس نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر آصف فرخی کہتے ہیں:

''کرداروں کی مصیبت واضح ہے مگر ان کی شناخت نہیں۔ اب وہ اپنے حالات کے آگے اس درجے بے چہرہ ہو گئے ہیں کہ ناموں کے بجائے ان کو ان کے زخم سے یا کسی اور حالت سے پہچانا اور پکارا جا رہا ہے۔''(۵)

افسانہ ''دوسرا راستہ'' میں معاشرتی حوالوں سے اٹھائے گئے سوالات سیاست کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اس افسانے میں بس علامت کے طور پر استعمال کی گئی ہے جو ہماری اجتماعی زندگی کا رخ اور رفتار متعین کرتی ہے۔ کہانی میں سیاسی جبر اور انسانی بے حرمتی کا احساس ہے اور ایک ایسی صورتحال کا سامنا ہے جہاں کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے؟ یہاں ماحول کی کشیدگی بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ اس افسانے میں انتظار حسین نے قومی و ملکی تشخص کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے سادہ اور علامتی اسلوب کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا ہے۔ انتظار حسین کی کہانیوں میں بیک وقت علامتی و تمثیلی پیرائے اور شعور کی رو اور آزاد تلازمہ خیال جیسی تکنیکوں کا استعمال ملتا ہے۔ ان کے ابتدائی افسانوں میں ماضی قریب اور ان کے آخری افسانوں میں ماضی بعید کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

''اپنے پرتاثیر تمثیلی اسلوب کے ذریعے انہوں نے اردو افسانے کو نئے فنی اور معنیاتی امکانات سے آشنا کرایا ہے۔''(۶)

انتظار حسین نے علامتی اور استعاراتی اسلوب میں سوز اور حسن پیدا کیا ہے۔ بقول زاہد نوید:

''کہانی کی طرف مراجعت کا پہلا قدم انتظار حسین نے اٹھایا اور اسلوبیاتی سطح پر داستان ادب کی طرف مائل ہوئے۔''(۷)

افسانہ "زرد کتا'' میں انتظار حسین نے تصوف کو بنیاد بنا کر شیخ کے اقوال سے کہانی کا خمیر تیار کیا ہے۔ یہ افسانہ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے منفرد اور قابل ذکر ہے جس میں تربیتِ انسانی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا درس ملتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ دنیاوی خواہشات کا حصول آسان لیکن ثابت قدمی مشکل ہے۔ کہانی میں زرد کتا انسانی نفس کا استعارہ ہے۔ اس کہانی میں مرید کے اپنے شیخ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات کا ذکر کیا گیا ہے:

''یا شیخ ''زرد کتا'' کیا ہے؟ فرمایا:

''زرد کتا'' تیرا نفس ہے۔ میں نے پوچھا: یا شیخ نفس کیا ہے؟ فرمایا:

نفس طمع دنیا ہے۔ میں نے سوال کیا: یا شیخ طمع دنیا کیا ہے؟ فرمایا:

طمع دنیا پستی ہے۔ میں نیا استفسار کیا: یا شیخ پستی کیا ہے؟ فرمایا:

پستی علم کا فقدان ہے۔ میں ملتجی ہوا: یا شیخ علم کا فقدان کیا ہے؟ فرمایا:

دانشمندوں کی بہتات۔''(۸)

اس افسانے میں نفسانی خواہشات کا غلبہ اور روحانیت سے دوری انسان کے باطنی زوال کے اسباب پیش کیے گئے ہیں۔ مرید اور شیخ کی گفتگو میں انسان کے سفلی اور روحانی جذبات کے ٹکراؤ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ زرد کتا انسان کا نفس ہے جو اسے ورغلاتا اور بہلاتا ہے اور اسے کبھی وقتی فتح اور کبھی ابدی شکست سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس کہانی میں علامتی اور تمثیلی پیرایہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ انتظار حسین کا کامیاب افسانہ ہے جس میں انھوں نے انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔

''انتظار حسین نے پرانی تہذیبی علامتوں کو بازآفرینی کے ذریعہ موجودہ سیاق وسباق سے پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔''(۹)

افسانہ ''آخری آدمی'' کی بنیاد ایک قرآنی قصہ ہے جس میں گمراہی، نافرمانی اور افعالِ بد کی سزا عبرت ناک انجام سے دوچار کرتی ہے۔ یہ سزا ذاتی اور معاشرتی سبب ہے کیونکہ صراطِ مستقیم پر چلنا مشکل ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے انسان گمراہی اور نافرمانی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار صراطِ مستقیم پر چلنے کے باوجود قوم کے مجموعی رنگ ہی میں رنگ جاتا ہے۔ اس کہانی میں خدا کی نافرمانی اور طمع کے خلاف قدیم صداقت کو بیان کیا گیا ہے:

''آخری آدمی انسان کے داخل اور باطن کے ایسے زوال کی کہانی ہے جو پھیلتے پھیلتے انسان کے خارجی وجود کو بھی مسخ کر دیتا ہے۔''(۱۰)

''آخری آدمی'' اور ''زرد کتا'' میں انتظار حسین کا اخلاقی اور فکری نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔ ان کے نزدیک ماضی ایک زمانی حقیقت ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور ماضی سے وہ حال کو دیکھتا ہے اور مستقبل کی فکر کرتا ہے۔ ان کے افسانے انسانی تہذیب کو اجاگر کرتے ہیں۔ جو ان کہانوں کی تہہ میں انسانی کرب اور اضطراب میں چھپا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانے میں علامت کے ذریعے سے قدیم وجدید اسلوب کے ذریعے سے اپنے فن کی آبیاری کی ہے۔ افسانوی مجموعہ ''آخری آدمی'' مسلم معاشرے کے تہذیبی اور داخلی زوال کی کتھا ہے جس میں انہوں نے اپنی کھوکھلی ہوتی ہوئی تہذیب کا نوحہ بیان کیا ہے اور ماضی کی بازیافت اور شاندار عروج کی تمنا کی ہے۔ اس میں مسلم معاشرے کا تہذیبی، باطنی زوال علامتی انداز میں دکھایا گیا ہے۔ اس مجموعے میں انھوں نے فکری جدت کے ساتھ ساتھ نئے اسلوب اور نئی تکنیک کے تجربات بھی کیے۔ آسمانی صحیفوں، صوفیا کی حکایات اور قرآنی تمثیلوں کو علامتی اور تجریدی انداز میں برتا گیا ہے۔

''میں ماقبل تاریخ زمانوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں اور ان بزرگوں سے کہانی کا فن سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جن کا فکشن کی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔''(۱۱)

ان کے افسانوں میں انسان کے باطنی گرد وپیش اور شکوک وشبہات سے پیدا ہونے والا خوف نمایاں نظر آتا ہے۔ خوف، ڈر اور تہذیبی زوال کا کرب انتظار حسین کے افسانوں کا مرکزی دھارا ہے۔ یہ خوف ان کا ذاتی نہیں بلکہ اس خوف اور زوال سے ہمارا معاشرہ اجتماعی طور پر دوچار ہے۔ ان کے افسانوں میں وجودی، اساطیری اور داستانوی انداز نمایاں طور پر جلوہ گر نظر آتا ہے:

''آخری آدمی میں اساطیری علامتوں کو دور حاضر کے اخلاقی زوال کی داستان بیان کرنے کے

لیے استعمال کیا گیا ہے۔''(۱۲)

افسانہ ''خواب و تقدیر'' چار افراد کی کہانی ہے جو رات کی تاریکیمیں کوفہ سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن طے نہیں کر پاتے کہ انھیں جانا کہاں ہے۔ پہلے وہ ارادہ کرتے ہیں کہ مدینہ چلے جائیں لیکن اس فیصلے پر نظر ثانی کر کے اپنا فیصلہ تبدیل کرتے ہیں اور مکہ کو اپنی منزل سمجھتے ہوئے ساری رات سفر کرتے ہیں۔لیکنرات بھر سفر کرنے کے باوجود کوفہ کے در و دیوار ان کے سامنے ہوتے ہیں۔کہانی سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ یعنی حرم شریف ہمارا خواب ہے لیکن کوفہ ہماری تقدیر ہے۔مہدی جعفر لکھتے ہیں:

''انتظار حسین کی تلمیحات زیادہ تر static ہوتی ہیں اور ایک جہان معنی سمو لیتی ہیں۔''(۱۳)

افسانہ ''شرم الحرم'' اسرائیلی جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کی کہانی ہے جس میں مسلمانوں کی شکست کو تمام عالم اسلام کی شکست تصور کام جاتا ہے۔گویا یہ جنگ عربوں کی نہیں بلکہ تمام ملت اسلامیہ کی جنگ تھی جس میں شکست اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔انتظار حسین کے افسانوں میں تاریخی، روحانی اور تہذیبی کیفیات واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ان میں زندگی کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔وہ ان کہانیوں سے انسان کے تعلق کو تلاش کرتے ہیں۔انتظار حسین نے اپنا رشتہ ایک طرف قدیم اساطیر، دیومالائی اور صحائف سے جوڑا ہوا ہے اور دوسری طرف جدید دور کی فکری اور نظری تبدیلیوں سے بھی پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

''انتظار حسین کی علامتیں اساطیر اور قدیم داستانوں سے پھوٹتی ہیں اور یہ ان کا کمال ہے کہ اس نے سینکڑوں سال قبل کے واقعات سے علامات اخذ کر کے انہیں ''آج'' کا ترجمان بنا دیا ہے۔''(۱۴)

افسانہ ''پر چھائیں'' میں ایک ایسا شخص جو اپنی ذات کی تلاش میں بھٹکتا پھرتا ہے۔یہ ایک ایسا کردار جو وہم کا شکار ہے کہ اس کا کوئی ہم شکل اس کا پیچھا کر رہا ہے اور یہ کردار اپنے ہم شکل کی تلاش میں ہے۔وہ اس پر چھائی سے پیچھا چھڑانے کے لیے اندھیرے کا انتخاب کرتا ہے مگر بے سود، خوف اور دہشت اندر سے اُسے کھوکھلا کر رہی تھی۔افسانے میں تلازمہ خیال کی تکنیک کا استعمال کہانی کے ماحول کو خوابناک بنا دیتی ہے۔اسی کشمکش میں اسے یوں لگتا ہے کہ تلاش کے سفر میں اسے صدیاں بیت گئی ہیں۔عقیدت میں ڈوبی ہوئی لرزتی کانپتی آواز اس کے کانوں میں گونجتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرچھائیاں تو ایک اُمت کی پرچھائی ہے جو اپنے قافلے سے بھٹک گئی ہے۔ذاتی شناخت کی تلاش کرتے کرتے قومی تشخص کی تلاش کا یہ خوبصورت سفر ہے۔اقبال آفاقی لکھتے ہیں:

''انتظار حسین کا دعویٰ اپنے سیاق و سباق میں وجودی مفکرین سے مختلف بھی ہے۔اس نے زندگی بھر اپنی نسلی شناخت کو بھی اپنے انفرادی تصور جہاں میں تفاخر کے ساتھ شامل رکھا.....جذبے لفظوں میں ڈھل کر روح کی دھڑکنوں کو ایک باطنی سفر کی روداد بنا دیتے ہیں۔خارج کے علاوہ بہت سا سفر انسان اپنی ذات کے اندر بھی کرتا ہے۔افسانے کی اس تفہیم کے لیے داخلی دنیا کا سفر شرط اوّل ہے۔''(۱۵)

افسانہ ''وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے'' اساطیری اور تمثیلی پہلو لیے ہوئے، جس کی کئی تعبیریں اور معنوی جہتیں ہیں۔کہانی میں یاجوج ماجوج کا ذکر جو رات کو دیوار کو چاٹ کر انڈے کے چھلکے کی مانند کر دیتے ہیں اور یہ کہہ کر سو جاتے کہ صبح ہم اس کو ختم کر دیں گے مگر جب وہ صبح دیکھتے دیوار ویسی کی ویسی کھڑی ہوتی ہے۔پھر وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے

ہوئے ایک دوسرے کو چاٹ کر انڈے کے چھلکوں کی مانند کر دیتے ہیں۔

افسانہ ''ہڈیوں کا ڈھانچ'' انسان کے روحانی اور اخلاقی زوال کی کہانی اور تجریدیت کی عمدہ مثال جس میں مختلف تصویریں ابھرتی ہیں یہ غیر واضح دھندلی اور مبہم ہیں۔ کہانی کا آغاز حیرت و استعجاب سے کہ کوئی حقیقت اندر سے پھوٹ رہی ہو۔ کردار کہیں شعور کی گلیوں کا چکر لگا رہا اور کہیں آسمان کی وسعتوں میں گم، معاشرے کی خودغرضی بڑھنے کی وجہ سے انسانیت کا رشتہ کمزور پر جاتا ہے۔ خودغرضی، حرص و ہوس اور خواہشات کا حصول اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ انسان خودغرضی کا شکار ہو کر دوسروں کے رزق کی حق تلفی کرتا ہے جس سیاس کی خوشیوں اور چیزوں کی خوشبو اور رنگ ماند پڑ جاتا ہے۔ حلال و حرام کی تمیز کھو دینے سے بے برکتی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ کہانی میں انسانی معاشرہ انحطاط کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ انسانی شخصیت کے زوال سے اس کی روح مر جاتی ہے مگر وہ جسمانی طور پر زندہ دکھائی دیتا ہے۔

انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں فرد اور قوم کی شناخت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں روحانی انحطاط اور اخلاقی زوال کی مجسم علامتیں پائی جاتی ہیں۔ جس میں شعور، احساس اور آگہی نظر آتی ہے۔ وہ انسانی حیات و کائنات کے مسائل اور انسانی وجود کی شناخت چاہتے ہیں۔ افسانہ ''طوطے مینا کی کہانی'' میں پرندوں کی زبانی انسانی رویوں اور بے حسی کی عکاسی کی ہے:

> ''آدم زاد نے آپس کے جھگڑے میں ہمارے سمندر کی پاکیزگی کو غارت کر دیا۔ مت پوچھو کہ اب ان پانیوں میں کیا کیا زہر گھولا گیا ہے..... میں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور آسمان کی طرف دیکھا مگر آسمان پر الگ ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ فضا دھواں دھار پرندے مضطرب..... پھر تو آدمی کو سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ''اس پر چکورے نے ٹکڑا لگایا'' اس کے پاس عقل ہو تو سوچے۔''(۱۶)

افسانہ ''کنکری'' تو ماضی کی یادوں اور ہجرت کے کرب کی ایک شاندار مثال ہے۔ افسانہ ''ٹانگیں'' سماجی قدروں کے زوال اور انسانی پستی کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح ''کایا کلپ'' میں انسانی ذات کی کشمکش کے ساتھ ساتھ عرفان ذات کا سبق بھی ہے۔ ظلم کا ساتھ دینا، حق کو چھپانا اور علم و ہنر پر گھمنڈ کی وجہ سے انسان مضطرب اور خوف زدہ رہتا ہے۔ یہ خوف اس کو انسانیت کے درجے سے گرا دیتی ہے۔ یہ کہانی سماجی تشکیل کی تکمیل کا نوحہ ہے۔ شہزادہ، دیو کی قدہ سے شہزادی کو چھڑانے کے لیے جاتا ہے تو خود سحر میں جکڑا جاتا ہے اور مکھی کا روپ اختیار کر جاتا ہے۔ لیکن آزادی حاصل کرنے کے بعد خوف کا شکار رہتا ہے اور بالآخر وہ مستقل طور پر مکھی بن جاتا ہے۔ انتظار حسین کے تمام کردار آج کے آدمی کی ذات کی مختلف اور متضاد جہتیں ہیں۔ وہ انسانی ذات کی غیر منکشف تہوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے آخری دور کے افسانے انسانیت کی بقاء کے متلاشی ہیں۔ انہوں نے اپنی علامتوں کا خمرک دیومالاؤں، لوک کتھاؤں، آریائی قبل از اسلامی اور اسلامی تاریخ اور روایات و حکایات سے اٹھایا ہے اور ماضی کی بازیافت کی ہے:

> ''انتظار حسن غالباً اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اخلاقی اور روحانی زوال کی کہانی مختلف زاویوں سے لکھی ہے۔''(۱۷)

انتظار حسین کے افسانوں میں محض ظاہری اور خارجی زندگی کے المیے بیان نہیں ہوئے بلکہ داخلی شکست کی

کیفیات کی عکاسی بھی ہنرمندی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔قرۃ العین حیدر لکھتی ہیں:

''انتظار حسین کے کردار اس دور کے ترجمان ہیں۔میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو.....
انتظار حسین کے کردار علیحدہ علیحدہ مختلف قسم کے سمبلز ہیں اور بے حد حقیقی ہیں۔''(۱۸)

انتظار حسین نے علامتی اور استعاراتی اسلوب کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔وہ کرداروں کے ذریعے کہانی بناتے ہیں۔ان کا ہر کردار اپنی حرکات وسکنات سے ایک ماحول پیدا کرتا ہے۔وہ افراد کے انفرادی واجتماعی تجربات کو بڑی مہارت اور خوبی سے کہانی میں سموتے ہیں۔اُن کے ہاں رومانیت غالب نہیں بلکہ فکر اور احساس کی گہرائی ساتھ ساتھ چلتی ہے:

''انتظار حسین کا فن آج کے کھوئے ہوئے یقین کی تلاش کا فن ہے۔اس لیے کہ مستقبل کا انسان
اپنی آگہی حاصل کر سکے اور اپنی ذات کو برقرار رکھ سکے۔''(۱۹)

انتظار حسن روایت سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے ایک جدید افسانہ نگار ہیں۔ان کا اپنا ایک استعاراتی اور علامتی نظام ہے جس نے ان کے افسانوں کو مختلف،منفرد اور معتبر معیار اور مقام عطا کیا۔ان کے افسانے فکری اعتبار سے متنوع اور وسعت لیے ہوئے ہیں۔وہ اپنی کہانیوں میں ڈر،خوف،ہجرت،مایوسی،ماضی کی بازیافت،تہذیب زوال اور پاکستانیت کی شناخت وغیرہ جیسے اہم فکری رویوں کو سامنے لاتے ہیں۔ڈاکٹر اعجاز راہی کے مطابق:

''پاکستان کی تشکیل کے بعد ان کا شمار ان چند افسانہ نگاروں میں سرفہرست ہے،جنھوں نے
افسانے کو نئی طرح م نیا احساس اور نیا اسلوب بخشا اور نئے موضوعات اور نئی تکنیک کے رواج میں
موثر کردار ادا کیا۔''(۲۰)

انتظار حسن کے افسانوں کے فکری رجحانات کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں کے فنی پہلو کو دیکھا جائے تو اس حوالے سے بھی ان کے ہاں جدت موجود ہے۔ان کے افسانوں میں ہیتی،اسلوبیاتی اور تکنیکی تجربات بھی موجود ہیں۔اُن کے افسانوں میں پلاٹ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ان کے ہاں نفسیات کی تکنیکیں زیادہ برتی گئی ہیں۔خاص طور پر شعور کی رَو اور آزاد تلازمہ خیال کو انھوں نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ان کے اسلوب کی کئی پرتیں ہیں۔انھوں نے داستانوی،اساطیری اور علامتی اسلوب کے تحت افسانے لکھے۔انتظار حسن کے افسانے نئی سمت کی جانب ایک قدم ہیں۔پروفیسر شمیم حنفی لکھتے ہیں:

''اردو افسانے کی دنیا میں یہ عہد انتظار حسین کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے.....انتظار حسین ایک نام ہی
نہیں،تجربے اور مشاہدے،ادراک اور اظہار کا ایک اسلوب بھی ہے..... ہمارے زمانے کا روحانی
افلاس اور اخلاقی زوال انتظار حسین کا بنیادی سروکار ہے وہ اس زوال اور محرومی کے نوحہ گر نہیں اس کے
عکاس ہیں کہ بہ حیثیت افسانہ نگار انتظار حسین اپنے منصب کا جتنا گہرا اور سچا شعور رکھتے ہیں۔اس کی
مثالیں ہماری پوری روایت میں بہت کمیاب ہے.....اس طرح کی یہ کہانیاں پہلے آدمی سے لے کر
ہماری دنیا کے آخری آدمی تک زندگی کے ایک مسلسل تماشے کا احاطہ کرتی ہیں۔''(۲۱)

انتظار حسین ایک اعلیٰ پائے کے پاکستانی افسانہ نگار ہیں۔ان کے افسانوں میں ماضی کی کرید نظر آتی ہے۔وہ اس

خطے میں آباد لوگوں کی نفسی کیفیات اور ان کی اجتماعی تاریخ کو گہرائی میں دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ فکری اور اسلوبیاتی دونوں حوالوں سے وہ اردو افسانے کا ایک منفرد، اہم اور معتبر نام ہیں۔ پاکستانی اردو افسانے کی تشکیل میں ان کا کردار قابل قدر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، علامتوں کا زوال، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۳ء)، ص ۲۱

۲۔ محمد سلیم الرحمٰن، فنا کا افسانہ، مشمولہ: انتظار حسین کے سترہ افسانے، (نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۰ء)

۳۔ انتظار حسین، اپنے کرداروں کے بارے میں، مشمولہ: آخری آدمی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۵۱

۴۔ انتظار حسین، وہ جو کھوئے گئے، مشمولہ: شہر افسوس، (لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۷۷ء)، ص ۲۸

۵۔ آصف فرخی، انتظار حسین شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ص ۵۶

۶۔ گوپی چند نارنگ، انتظار حسین کا فن: متحرک ذہن کا سیال سفر، مشمولہ: اردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ: گوپی چند نارنگ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء) ص ۵۳۶

۷۔ زاہد نوید، کہانی افسانہ خیال کا کائی، مشمولہ: ادبیات، (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۸۸ء)، شمارہ ۲ جلد ۲، ص ۲۹۰

۸۔ انتظار حسین، زرد کتا، مشمولہ: آخری آدمی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)، ص ۳۲

۹۔ انیس ناگی، تصورات، (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۳۸

۱۰۔ قاضی عابد، اردو افسانہ اور اساطیر، (ملتان: شعبہ اردو، زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۷۶

۱۱۔ انتظار حسین، قصہ کہانیاں، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۷۸۔۱۷۹

۱۲۔ جمیل جالبی، نئی تنقید، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۰۳

۱۳۔ مہدی جعفر، اردو افسانے کے افق، مشمولہ: اوراق، (لاہور: مئی۔جون ۱۹۸۳ء)، ص ۳۱۹

۱۴۔ سلیم اختر، افسانہ اور افسانہ نگار: تنقیدی مطالعہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء)، ص ۵۰

۱۵۔ اقبال آفاقی، ادبیات، انتظار حسین نمبر، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۷ء)، ص ۲۷۶

۱۶۔ انتظار حسین، طوطے مینا کی کہانی، مشمولہ: خالی پنجرہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۹۸

۱۷۔ سجاد باقر رضوی، دیباچہ: آخری آدمی، از: انتظار حسن، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۱۔۱۲

۱۸۔ قرۃ العین حیدر، فلیپ:: آخری آدمی، از: انتظار حسن، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)

۱۹۔ گوپی چند نارنگ، انتظار حسن کا فن: متحرک ذہن کا سیال سفر، مشمولہ: اردو افسانہ: روایت اور مسائل، ص ۵۹۰

۲۰۔ اعجاز راہی، اردو افسانے میں علامت نگاری، (راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۱۹۶

۲۱۔ شمیم حنفی، فلیپ: آخری آدمی، از: انتظار حسن، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء)